انسان بننا مقدم ہے، باقی سب بعد میں

بچے کے کندھوں پر عقیدے کا بوجھ ڈالنے سے پہلے، ضروری ہے کہ اسے انسان بننا سکھایا جائے۔ سچائی، ہمدردی اور شجاعت جیسی اقدار کو کسی عقیدے کی جڑوں کی مضبوطی سے پہلے ایک محفوظ اور مستقل مزاج ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ہم بچے کی نشوونما پر توجہ دیے بغیر اس پر شناخت مسلط کرنے میں جلدی کرتے ہیں، تو ہم ایک کمزور بنیاد کھڑی کر رہے ہوتے ہیں۔ بچوں کی تربیت کا مقصد محض عقائد مسلط کرنا نہیں، بلکہ بچوں اور والدین کا ساتھ مل کر سیکھنا اور نشوونما پاتے ہوئے ایک ایسی فضا تخلیق کرنا ہے جہاں دونوں فریق انسانیت اور مقصدِ حیات کی گہرائیوں کو پا سکیں۔

میں نے ہچکچاتے ہوئے یہ بات کہی، کیونکہ اس جملے کو زبان پر لانا بھی گراں گزر رہا تھا۔ میں نے کہا، "مجھے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بچوں کو انسان بنانے سے پہلے مذہبی بنانے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔"

انہوں نے کوئی دفاعی ردِعمل ظاہر نہیں کیا، بلکہ سر ہلا دیا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد وہ بولے، "آپ کو جو یہ بے چینی محسوس ہو رہی ہے، یہ کسی ٹھوس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔" انہوں نے وضاحت کی کہ بچوں کے معاملے میں ہم سے ہونے والی سنگین ترین غلطیوں میں سے ایک 'شناخت' اور 'نشوونما' (Development) کو ایک ہی سمجھ لینا ہے۔ ہم ابھی باطنی زمین کو بیج کے لیے تیار بھی نہیں کرتے کہ ان پر لیبل لگانے، انہیں متعارف کروانے اور ان کے عقائد کی تشکیل کرنے میں جت جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا، "اقدار نعروں کے ذریعے اندر نہیں اترتیں، بلکہ وہ مٹی سے پروان چڑھتی ہیں۔" اور مٹی سے ان کی مراد گھر یا اسکول کا ماحول تھا۔

جب ہم جذباتی تحفظ، سچائی، ہمدردی اور ذمہ داری کے احساس کی جڑیں مضبوط ہونے سے پہلے ہی مذہبی اصطلاحات، قوانین یا علامات کو مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ہم ایک ایسا ڈھانچہ کھڑا کرتے ہیں جو انتہائی بودا ہوتا ہے۔ یہ باہر سے تو متاثر کن نظر آ سکتا ہے، لیکن ذرا سے دباؤ پر زمین بوس ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا، "بچہ درست الفاظ تو دہرا سکتا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ پھر بھی سچ بولنے کے ہنر سے ناواقف ہو۔"

یہ جملہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا۔ وہ مذہب کی مخالفت نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ جلد بازی کے خلاف دلیل دے رہے تھے۔

انھوں نے کہا، "عقیدے سے پہلے، بچے کو ایک مکمل انسان بننا سیکھنے کی ضرورت ہے۔" اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ الجھن اور کشمکشکا اظہار کرنا محفوظ عمل ہے۔ وہ اشتعال انگیزی کے بغیر مایوسی کو برداشت کرنا سیکھے۔ وہ خوف کے بغیر اپنی غلطی تسلیم کرنے کا حوصلہپیدا کرے۔ وہ دوسروں کے ساتھ بنیادی انسانی وقار کے ساتھ پیش آنا سیکھے۔ انہوں نے کہا، "یہ بنیادیں اختیاری نہیں بلکہ لازمی ہیں۔"

انہوں نے مجھ سے ایک ایسے بچے کا تصور کرنے کو کہا جسے مسلسل ٹوکا تو جاتا ہو لیکن سمجھا کم ہی جاتا ہو۔ جسے یہ تو بتایا جاتا ہو کہ کیا کہنا ہے، کس بات پر یقین رکھنا ہے اور کیا کرنا ہے—لیکن اسے غور و فکر کرنے، سوال اٹھانے یا اپنے باطنی تضادات کو سمجھنے کا ڈھنگ نہ سکھایا گیا ہو۔ انہوں نے کہا، "ایسا بچہ یا تو بظاہر تابعدار بن جائے گا یا پھر اندر ہی اندر باغی ہو جائے گا۔" دونوں صورتوں میں نشوونما رک جاتی ہے۔

ابتدائی جبر کے بجائے، انہوں نے ابتدائی ماحول کی بات کی۔ پہلے دن سے ہی بچوں کو ایک ایسی جگہ کی ضرورت ہوتی ہے جہاں واضح اصول ہوں—سخت قوانین نہیں، بلکہ مستقل مزاج توقعات۔ ایک ایسا گھر جہاں سچ بولنا محفوظ ہو۔ ایک ایسی کلاس جہاں سوالات کا خیر مقدم کیا جائے۔ ایک ایسا تعلق جہاں غلطی کرنا جان لیوا ثابت نہ ہو۔ انہوں نے کہا، "جب ماحول سازگار ہوتا ہے، تو اقدار کو طاقت کے زور پر منوانے کی ضرورت نہیں پڑتی؛ وہ قدرتی طور پر ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔"

میں نے ان سے پوچھا، "لیکن سوالات کا کیا ہوگا؟ کیا وہ ہر چیز کو چیلنج نہیں کریں گے؟"

وہ مسکرائے اور کہا، "انہیں کرنا بھی چاہیے۔" انہوں نے وضاحت کی کہ سوالات عقیدے یا اقدار کے لیے خطرہ نہیں ہوتے، بلکہ یہ ذہنی بالیدگی کی علامت ہیں۔ اصل خطرہ تب پیدا ہوتا ہے جب بچوں کو یہ محسوس ہو کہ انہیں اپنے سوالات کہیں اور لے کر جانے ہیں—یا انہیں مکمل طور پر دفن کر دینا ہے۔ "اگر بچے کو معلوم ہو کہ وہ آپ کے پاس آ سکتا ہے، تو سمجھیں کہ آپ نے آدھا کام مکمل کر لیا۔"

پھر انہوں نے ایک ایسی بات کہی جس نے تمام تر ذمہ داری دوبارہ مجھ پر ڈال دی۔ "یہ مت بھولنا کہ یہ عمل آپ کو بھی بدل دیتا ہے۔"

میں ابھی احتجاج کرنے ہی والا تھا کہ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے: "تعلیم کوئی یک طرفہ منتقلی کا نام نہیں ہے۔ یہ کبھی تھی ہی نہیں۔ بچوں کے سوالات کبھی کبھار ہماری اپنی سمجھ کے خلا کو بے نقاب کر دیتے ہیں۔ وہ ہمیں ان مفروضوں پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور کرتے ہیں جو ہم نے سوچے سمجھے بغیر اپنا لیے تھے۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ مل کر پروان چڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔" انہوں نے مزید کہا، "میں یہ بات پورے دعوے سے کہتا ہوں کہ میری اپنی نشوونما میں بچوں کی بدولت تیزی آئی، نہ کہ ان کی وجہ سے رکاوٹ ہوئی۔" انہوں نے اعتراف کیا کہ زندگی کے ابتدائی

دور میں ان کا خیال تھا کہ والدین کی شخصیت "مکمل ہوتی ہے"، اور صرف بچوں کو تراشنے اور سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ "لیکن یہ خام خیالی زیادہ دیر نہ چلی۔ ہر نیا سوال، ہر اخلاقی الجھن، اور ہر الجھا ہوا لمحہ آپ کو دوبارہ نشوونما کے عمل میں کھینچ لاتا ہے۔"

جس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ ان کا عجز و انکسار پر اصرار تھا۔ انہوں نے کہا، "اگر آپ یہ سمجھتے ہو کہ آپکی اپنی نشوونما مکمل ہو چکی ہے، تو آپ نادانستہ طور پر بچے کو نقصان پہنچائیں گے۔" کیونکہ ایسی صورت میں رہنمائی 'کنٹرول' بن جاتی ہے، پڑھانا 'وعظ' بن جاتا ہے اور اقدار 'مطالبات' کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ انہوں نے گفتگو کا رخ وہیں موڑ دیا جہاں سے آغاز ہوا تھا۔

"جب ہم بچوں کو انسان بنانے سے پہلے مذہبی بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تو ہم فطری ترتیب کو الٹ دیتے ہیں۔" اور ترتیب کا الٹنا ہمیشہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا، "عقیدے کو ایک ایسے انسانی ظرف کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے سنبھالنے کی سکت رکھتا ہو۔"

جب میں نے اس گفتگو پر غور کیا، تو ایک حقیقت بالکل واضح ہو گئی: بچوں کی پرورش کا مطلب کوئی تیار شدہ پراڈکٹ' بنانا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مقصد ماحول کی تعمیر، تعلقات کی استواری اور باہمی نشوونما کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا ہے۔ اگر بچوں کو ایک بااخلاق، سچا اور جذباتی طور پر باشعور انسان بننے کی جگہ فراہم کی جائے، تو عقائد—خواہ وہ مستقبل میں کوئی بھی شکل اختیار کریں—انہیں رہنے کے لیے ایک حقیقی ٹھکانہ میسر آئے گا۔

اور شاید اس دن میں نے جو سب سے سچی بات سیکھی وہ یہ تھی: اگر میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے گہرائی اور کردار کی بلندی کے ساتھ پروان چڑھیں، تو مجھے خود بھی ایک بہتر انسان بننے کے مسلسل عمل سے گزرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔